افکار و مطالعات

(قاضی اطہر مبارکپوری)

افسوس کہ ۲۵ر دسمبر ۱۹۵۶ء کو حضرت مولانا الحاج عبدالرحیم صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ انتقال فرما گئے، حضرت مرحوم پر دو ماہ قبل ۲۶ر اکتوبر کو جبکہ انھیں آخری مرتبہ حج و زیارت سے واپس ہوئے، چند ہی ایام گذرے تھے یکبارگی فالج کا حملہ ہو گیا، آپ اس دو ماہ کی مدت میں شاید ہی چار پانچ مرتبہ ہوش میں آئے ہوں گے،

مولانا مرحوم حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی کے چھوٹے بھائی تھے، زبردست عالم اور بیدار مغز ماہر علوم و فنون تھے، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ تھے، حضرت مولانا خلیل احمد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص ہونے کا فخر حاصل تھا، مدتوں سے تعلیم و تعلم سے الگ ہو چکے تھے، مگر علم و ذہن کی تازگی اور یادداشت کا عالم یہ تھا کہ ہر قسم کے علمی مسائل خصوصًا منطق، فلسفہ، علم کلام، اور نحو و صرف پر بے دھڑک ماہرانہ گفتگو فرماتے تھے، اور کتابوں کی عبارتیں زبانی پڑھتے جاتے تھے، شعر گو تو شاید بہت ہی کم تھے، مگر شعر فہمی اور شعر پسندی میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، بلا مبالغہ اردو اور فارسی کے اساتذہ کے لاکھوں اشعار زبانی یاد تھے، جنھیں مرحوم تقریبًا ہر محفل میں برجستہ سنایا کرتے تھے، شاید ہی ان کی کوئی مجلس شعر و شاعری سے خالی گئی ہو،

مولانا مرحوم میں حد درجہ کی انکساری، بےنفسی، فروتنی، اور خاکساری تھی، بڑے ہی وضعدار اور رسم و راہ کے پابند بزرگ تھے۔ نرم دلی، رقت قلبی، ان کا خاص وصف تھا، ان کی نرم دلی اور شفقت سے بہت لوگوں نے فائدہ اٹھایا، مگر خود ہمیشہ بچتے رہے، مولانا مرحوم کی ایک ایک بات یاد آتی ہے، تو یہی کہنا پڑتا ہے کہ اب ایسے شفیق، خدا ترس، بوڑھے علماء کہاں ملیں گے، جو اپنے چھوٹوں کی گستاخی پر شفقت کریں گے،

مولانا مرحوم اخلاق و روحانیت کی اکثر باریک باتیں بیان فرماتے، اور اہل دل کے اشعار و واقعات سے خوب نوازتے تھے، ایک زمانہ میں ہندوستان کے ہر دینی جلسہ میں ان سے رونق ہوتی تھی، مگر ادھر پچھلے پندرہ بیس سالوں سے مولانا اس سے بھی کنارہ کش ہو گئے تھے، ان کے وعظ اب سے چار پانچ سال پہلے بمبئی میں ہوا کرتے تھے، وعظ میں بڑی سادگی، اور بڑی جاذبیت ہوا کرتی تھی، مولانا بڑوں میں بڑے اور چھوٹوں میں چھوٹے تھے، ایسے بڑے کہ بڑے بڑے لوگ ان کا احترام کرتے تھے، اور ایسے چھوٹے کہ ہم جیسے چھوٹے چھوٹے لوگ ان کو چھیڑا کرتے تھے،

محترم الحاج احمد غریب صاحب و اخوانہ سے مولانا مرحوم کے ذاتی تعلقات دوسرے ارباب علم و فضل کی طرح دیرینہ اور گہرے تھے، انجمن خدام النبی اور البلاغ سے ان کو بڑی محبت تھی، اللہ تعالیٰ نے متعدد بار حج و زیارت کی دولت سے نوازا، اب کے حج کو تشریف لے گئے تھے اسی آرزو کے ساتھ کہ جنت البقیع میں ایک گز زمین مل جائے، اللہ تعالیٰ یہیں پر ان کے مرقد کو جنت البقیع کا ٹکڑا بنا دے

تو یہ اس کی رحمت سے کیا بعید ہے، فالج کے دور میں جب کبھی ہوتے تو مدینہ منورہ، جنت البقیع کے مبارک الفاظ کے ساتھ احمد بھائی، محمد بھائی، حافظ محمد صدیق، اور عبدالکریم، اور یوسف بھائی وغیرہ کو یاد فرمایا کرتے تھے، اس سے تعلقات کی نوعیت اور نزاکت کا اندازہ ہوتا ہے،

مولانا مرحوم اپنے اوصاف و کمالات میں بے نظیر تھے، ان کو کہاں تک یاد کیا جائے، ان کے متعلقین کی طرح انجمن خدام النبی بمبئی، و رسالہ البلاغ، کے اراکین بھی ان کے فراق میں غمگین ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے، اور ان کی قبر کو نور سے بھر دے، اور ہمیں صبر جمیل اور نعم البدل دے، آمین

حریت و آزادی مسلمانوں کے خمیر میں داخل ہے، اور ایک اللہ کی حاکمیت اعلیٰ کے سوا مسلمانوں کو ہر قسم کی غلامی اور محکومیت سے جدا رکھا گیا ہے، اسلام نے انسانیت کو ذہنی اور جسمانی طور سے بالکل آزاد قرار دیا ہے، اور آزادی کی بحالی اور برقراری کیلئے زیادہ سے زیادہ حقوق تسلیم کئے ہیں، اور ان کے استعمال کیلئے ہر مسلمان مجاز و مختار ہے،

اسلام کے بخشے ہوئے اسی جذبۂ حریت اور وحدت پرستی کی بنا پر جب گذشتہ ڈیڑھ دو صدیوں سے عالم اسلام پر مغربی اقتدار بڑھنے لگا، اور مسلمانوں کی آزادی پر حرف آنے لگا تو ان کے دینی پیشوا اور علماء اس کی حفاظت و برقراری کیلئے کھڑے ہوئے، اور انھوں نے عوام کو اسلام کی صحیح تعلیم سے آگاہ کر کے ان کو اپنے ہمراہ لیا۔

آپ دیکھ جائیے تو گذشتہ ڈیڑھ دو صدیوں میں مسلمانوں کی جو تحریکات چلی ہیں، ان میں یہی بات معلوم ہوگی، صحرائے افریقہ میں سنوسیوں کے زاویے، قلب عرب میں آل شیخ کی سرگرمیاں، مصر میں جمال الدین افغانی اور مفتی محمد عبدہ کی اصلاحیں، ہندوستان میں مجاہدین اسلام کی کوششیں، سب کی سب اسی حقیقت کا پتہ دے رہی ہیں کہ اغیار کی غلامی مسلمانوں کے دینی اور مذہبی نقطہ سے غلط ہے، اور اس کا مقابلہ کرنا، اور اپنی آزادی برقرار رکھنا دین اسلام اور مسلمانوں کے حق میں نہایت ضروری اور بہت ہی اہم ہے،

یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ پورے عالم اسلام میں جبکہ ناعاقبت اندیش حکمراں اور انجام سے بے خبر ان کے اہل کار اغیار کی غلامی میں پڑتے جا رہے تھے، اور اپنے احساس و شعور کی ہر قدر کو غلامی کے ہاتھوں فروخت کر رہے تھے تو دین کے نام پر عوام کو بیدار کرنے والے اور ان میں حریت و آزادی کی حفاظت اور اس کے حصول کا احساس پیدا کرنے والے وہی لوگ تھے جو دین کے پیشوا اور مذہب کے نمائندے تھے، بالفاظ دیگر علمائے اسلام نے اور صرف علمائے اسلام نے دینی نقطہ سے آزادی کے حصول و حفاظت کے لئے اپنے مدرسوں، زاویوں، مسجدوں، اور خانقاہوں سے نکل کر عوام کو پکارا، اور استبداد و غلامی کے مقابلہ میں اپنے ساتھ ان کو لاکر کھڑا کیا،

علمائے اسلام کی یہ بیداری اور قربانی غلامی کے سیلاب کو روکنے میں مختلف اسباب کی بنا پر بہت زیادہ کامیاب نہیں ہو سکی، اور جس شدت سے غلامی کا دور چل رہا تھا، عوام اس شدت سے علمائے اسلام کی پکار پر لبیک نہیں کہہ سکے، یا وہ ظلم و ستم کے مقابلہ

میں دینی گروہ کا ساتھ نہیں دے سکے، ورنہ عالم اسلام غلامی کی لعنت سے دوچار نہ ہوا ہوتا، اور مسلمان علماء عوام کو لیکر حالات کے مقابلہ میں کامیاب ہو جاتے، بہر حال اس میں کلام کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ پورے عالم اسلام میں علمائے اسلام نے آزادی کا عوام میں احساس پیدا کیا، اور اس کے لیئے وہ ان کو لے کر میدان عمل میں کام کر کے قربانی کا شاندار ریکارڈ قائم کیا،

آگے چل کر عالم اسلام میں آزادی کا شعور دینی رنگ سے ہٹ کر وطنیت اور قومیت کے رنگ میں پیدا ہونے لگا، اور یورپ سے آزادی کیلئے یورپ کی غلامی ہونے لگی، چنانچہ یورپ کی بخشی ہوئی وطنیت اور قومیت سے یورپ زدہ لوگوں کے توسط سے عوام میں گھر کرنا شروع کیا، پھر دو قدم آگے بڑھ کر اس غلامی نے یہ کیا کہ حریت و آزادی کو اسی رنگ میں طلب کیا جس رنگ میں یورپ دینا چاہتا تھا، چنانچہ آخر میں عالم اسلام کو جو آزادی نصیب ہوئی یا ہو رہی ہے وہ یورپ کی غلامی کا دوسرا عنوان ہے، اور اس میں براہ راست یورپ حکمراں نہیں، بلکہ اس کا مزاج حکومت کر رہا ہے، اور جو کام ہو رہا ہے یورپ کی تقلید میں ہو رہا ہے، چونکہ جس گروہ نے غلامی کے خلاف پہلے دن دین کے نام پر محاذ قائم کیا تھا اور عوام کو لے کر قربانی دی تھی، اس کے افراد آج بھی پائے جاتے ہیں، اور وہ اس دور میں بھی اپنے دینی احساس و شعور سے عوام کو بیدار کر رہے ہیں، اس لئے اب جبکہ کئی ممالک کو آزادی مل گئی ہے وہ چاہتے ہیں کہ اسے یورپ کے مزاج کی راجدھانی نہ ہونے دیا جائے، بلکہ جو حقیقی آزادی ہے، اور جس میں انسانیت امن و سلامتی کے اپنے پورے حقوق کے ساتھ زندہ رہتی ہے، اسے منظر عام پر لایا جائے، اور غلامی کے پہلے دن عوام کو آزادی کا جو مفہوم سمجھا کر ان کو ساتھ لیا گیا تھا اسے آج اجاگر کر کے ان کو بتایا جائے کہ یہ ہے آزادی جسے اسلام نے انسانیت کو بخشا ہے، اور ہمیں اس آزادی کی ضرورت ہے، یہ یورپ کے طرز کی بخشی ہوئی آزادی حقیقی آزادی نہیں ہے، جسے آج کے چند حکمراں جمہوریت، وفاقیت اور انتخاب کے نام پر چلا رہے ہیں،

جو انجمنیں اور جماعتیں آزادی کو دینی نقطہ سے حاصل کرنا چاہتی ہیں، اور موجودہ آزادی کو مغرب کی تقلید قرار دیتی ہیں، ان کو یورپ والے رجعت پسند اور قدامت پرست کہہ کر ان لوگوں کو بھڑکاتے ہیں، جن کے ذریعہ وہ حکمرانی عالم اسلام پر آج بھی کر رہے ہیں، بلکہ ان کو طرح طرح سے بدنام کرتے اور عوام میں ان کے خلاف بد ظنی پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، اور عالم اسلام کی موجودہ مغربی جمہوریتوں کا ان کو باغی بتلاتے ہیں، مصر میں الاخوان المسلمون، پاکستان میں جماعت اسلامی، اور انڈونیشیا میں دار السلام اور مسجومی پارٹی، اور ترکی میں جدید دینی جماعت وغیرہ وغیرہ کا تاریخی پس منظر یہی ہے، اور یہ جماعتیں اپنی حکومتوں سے جو کسی حد تک دست و گریبانی کر رہی ہیں اس کا منشا یہی ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان ہونے کے یورپ کی اس جمہوری، وفاقی، اور انتخابی حکومت کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں، بلکہ ہم اس آزادی کو چاہتے ہیں جسے ہمارے دین و معاشرہ اور ہماری روایات و تواریخ نے ہمیں عطا کیا ہے۔

ان مذہبی جماعتوں کو بدنام کرنے کی بڑی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ اب یہ جماعتیں جدید تقاضوں سے بڑی حد تک آگاہ ہو کر وقت اور ماحول کے مناسب کام کرنے لگی ہیں، ان کا طریقہ کار اور نظام عمل جدید اسلوبوں پر ہونے لگا ہے، اور سیاسی میدان میں وہ بھی کھلاڑیوں کے ساتھ اچھا کھیل کھیلنے لگی ہیں، جس سے ان کے مقابل لوگوں کو عوام میں بدنام کرنے کا ظاہری سبب ملتا ہے، اور ان کی تنظیم و ترقی کو غیر ملکی اور خطرناک قرار دیکر ان پر طرح طرح کے الزامات لگاتے ہیں، ان الزامات کی حقیقت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں،

بہرحال آج پورے عالم اسلام میں جہاں جہاں دینی جماعتیں سیاست کے میدان میں آرہی ہیں، ان کی داستان یہی ہے، اور ان کا جدید لائحہ عمل ان کے قدیم فکر و تصور سے ملتا ہے، اس کے باوجود لاقانونیت، انارکی، تشدد، کسی طرح مناسب نہیں ہے، اور یہ جماعتیں جہاں بھی کوئی تشدد کا فوجی اقدام کرتی ہیں اس میں ان کی ہمت افزائی نہیں کی جاسکتی،

سطور ہٰذا کی تحریر کے وقت وسطی انڈونیشیا میں دار السلام وغیرہ پارٹیوں کی قیادت میں جو فوجی انقلاب رونما ہو رہا ہے اس کی صحیح نوعیت سے ہم ناواقف ہیں، مگر اتنا ضرور کہیں گے کہ دینی جماعتوں کو جدید تقاضوں کا ساتھ دینے کے باوجود تشدد پر نہیں اترنا چاہئے، سیاست کے اکھاڑے میں تجدد پسند کھلاڑیوں کے ساتھ ضرور کھیلنا چاہئے، مگر لاقانونیت اور تشدد کے کھیل سے پرہیز کرنا چاہئے،

مئے طہور

از: قاضی اطہر مبارکپوری

خلوت بے نیاز کو سلطنت شہی سمجھ
آہِ سحر کی قیمتیں دے نہ سکیں گے دو جہاں
ساحل اضطراب کیا، موج سکون میں ڈوب جا
عشق ہے بے خبر، نہ سو، نخل سکوں کی چھاؤں میں
سود و زیاں کی کاوشیں موت ہیں اہل عشق کی
عشق کا سانس سانس ہے شرح ادائے بندگی
قلب و جگر کو چاک کر خواہشِ التفات میں
حسن نظر سے کام لے، غیر کا اعتبار کیا؟
یوں تو حیات نام ہے سلسلۂ دراز کا

بے خودیٔ خودی میں ڈوب ہر قلندری سمجھ
سازِ شکستہ پر نہ جا، رازِ شکستگی سمجھ
عشق کو برملا نہ کر، عظمتِ عاشقی سمجھ
بے خودیٔ حواس کو فرصتِ آگہی سمجھ
کوشش نامراد کو حاصلِ زندگی سمجھ
اپنی ہر شکست کو حسن کی برتری سمجھ
پھر بھی اگر اثر نہ ہو اپنے ہی میں کمی سمجھ
حسنِ ایاز پر نہ جا، دیدۂ غزنوی سمجھ
لیکن جو یاد میں کٹی اسی کو زندگی سمجھ